19

ہندوستان کے سیاسی لیڈروں کے نام پیغام

(فرمودہ 22 جون 1945ء)

تشہد، تعوّذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:

"قریباً ساڑھے پانچ ماہ کا عرصہ ہوا کہ اِسی مقام پر مَیں نے ایک خطبہ پڑھا تھا جس میں انگلستان اور ہندوستان کو میں نے اِس امر کی طرف توجہ دلائی تھی کہ انہیں آپس میں صلح کرنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ کیونکہ خدائی تقدیر میں بعض ایسے حادثات مقدر ہیں جن کا علم اُس نے متعدد بار مجھ کو دیا ہے جو آئندہ نہایت ہی خطرناک فتنے پیدا کرنے کا موجب ہونے والے ہیں۔ اور نہ صرف خدا تعالیٰ نے مجھے ان حادثات کا علم دیا ہے بلکہ ان کے متعلق بعض تفاصیل بھی اُس نے مجھے بتائی ہیں۔ وہ خطبہ گو الہام کی بناء پر نہیں تھا لیکن مختلف الہاموں اور کشوف اور رؤیا کے نتیجہ میں تھا اور اُن کو پورا کرنے کی تحریک کے طور پر ہی میں نے پڑھا تھا۔ اللہ تعالیٰ اپنے بندے کی زبان کو بسا اوقات اپنی زبان بنالیتا ہے۔ جس وقت مَیں نے وہ خطبہ دیا تھا اُس وقت کسی کے وہم و گمان میں بھی یہ بات نہیں تھی کہ ہندوستان اور انگلستان کے درمیان سمجھوتہ کی کوئی صورت پیدا ہونے والی ہے۔ بلکہ ہندوستانی اور انگریز دونوں مایوس نظر آتے تھے اور اس بارہ میں کوئی نیا قدم اٹھانے کے لئے کوئی جہت تیار نہیں تھی۔ اُس زمانہ کے قریب قریب عرصہ میں بلکہ غالباً اس کے بعد بھی پارلیمنٹ میں جو سوالات ہوئے ان کے جوابات بھی نہایت مایوس کُن تھے اور ہندوستان کے لوگ بھی آئندہ کسی نیک تغیر کے متعلق

اپنے دلوں میں کوئی امیدیں نہیں رکھتے تھے۔ لارڈ ویول جو اِس وقت ہندوستان کے وائسرائے ہیں ان کے متعلق عام طور پر یہ خیال کیا جاتا تھا کہ یہ ہندوستان کے مطالبات کے خلاف ہیں۔ چنانچہ جب یہ ہندوستان میں افواج کے کمانڈر انچیف تھے اور سر کرپس یہاں آئے اُس وقت عام طور پر یہ کہا جاتا تھا کہ سر کرپس کی تحریک اگر ناکام رہی ہے تو اس کی بڑی وجہ لارڈ ویول کی مخالفت ہی تھی۔ گویا لارڈ ویول وہ شخص ہیں جن کے متعلق لوگوں میں یہ خیال تھا خواہ یہ خیال غلط ہی کیوں نہ تھا کہ وہ ہندوستان کی آزادی اور ہندوستان کے حقوق کے خلاف ہیں۔ مگر ایسے وقت میں جبکہ یہ سمجھا جاتا تھا کہ ہندوستان کو آزاد کرنے کا سوال اب ایک عملی پالیٹکس کے طور پر انگلستان کے سیاسی مدبروں کے سامنے نہیں آسکتا۔ اور ایسے وقت میں جب ہندوستان کے مدبر بھی کسی تبدیلی کے متعلق امید رکھنے سے مایوس ہو چکے تھے اللہ تعالیٰ نے مجھے اس بات کی تحریک فرمائی کہ میں انگلستان اور ہندوستان کو سمجھوتہ کی دعوت دوں۔

میں نے اپنے اُس خطبہ میں بیان کیا تھا کہ میری آواز ایک ایسی چھوٹی سی جماعت کے امام کی آواز ہے جو سیاسی طور پر کسی گنتی اور شمار میں نہیں ہے۔ لیکن ساتھ ہی میں نے کہا تھا کہ باوجود اِس بات کے جاننے کے ہمیں سمجھ لینا چاہیے کہ اِس دنیا کا ایک زندہ خدا ہے اور اُس میں یہ طاقت ہے کہ وہ میری آواز کو بلند کر دے۔ یہ خطبہ چَھپا ہوا موجود ہے دوستوں اور دشمنوں نے اُس کو پڑھا ہے بلکہ ولایت میں شمس صاحب نے اس کا ترجمہ پارلیمنٹ کے بہت سے ممبروں کے پاس بھی بھجوا دیا تھا جس کے جواب میں بہت سے ممبروں نے شکریہ کے خطوط لکھے۔ ان میں سے بعض "الفضل" میں شائع بھی ہو چکے ہیں۔ میرے اُس خطبہ کے معاً بعد اللہ تعالیٰ نے اِس قسم کے سامان پیدا کر دیئے کہ چودھری ظفر اللہ خان صاحب کو گورنمنٹ نے کسی کام کے لئے انگلستان بھجوایا اور باوجود اس کے کہ وہ برطانوی گورنمنٹ کے نمائندہ تھے اُس نے انگلستان میں ان سے اِس قسم کی تقریر کروائی جس میں انہوں نے میرے خطبہ کے بیان کردہ مطالب کو اپنی زبان میں انگلستان کے لوگوں کے سامنے رکھا۔ سیاسی طور پر چودھری ظفر اللہ خان صاحب سے بھی بڑی پوزیشن رکھنے والے آدمی وہاں جاتے ہیں لیکن کبھی کسی کی تقریر کی طرف اُتنی توجہ نہیں دی گئی جتنی کہ اِس تقریر کی طرف۔ متواتر کئی دن تک انگلستان کے

سر بر آوردہ اخبارات میں بڑے بڑے لیڈروں نے چودھری صاحب کی آواز کے خلاف یا اس کی تائید میں مضامین لکھے اور اِس طرح وہ آواز جو میں نے قادیان سے بلند کی تھی سارے انگلستان میں پہنچ گئی۔ انگلستان سے امریکہ کے نمائندوں نے تاروں کے ذریعہ اِس کو امریکہ میں پھیلایا اور رائٹر کے نمائندوں نے اس آواز کو ہندوستان میں پہنچایا اور پھر ہندوستان کے مختلف گوشوں میں اس کی تائید میں آوازیں بلند ہونی شروع ہو گئیں۔ اس طرح وہ بات جو میں نے اپنے اُس خطبہ میں بیان کی تھی پوری ہو گئی کہ مجھے اپنی آواز کے ہوا میں اُڑ جانے کا کیا خوف ہو سکتا ہے۔ جبکہ ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ میری ہوا میں اُڑنے والی آواز کو بھی لوگوں کے کانوں تک پہنچا دے۔ یہ ریڈیو آخر ہوا میں سے ہر آواز کو پکڑنے کا آلہ ہے۔ اگر ریڈیو کے ذریعہ آوازیں ایک مقام سے دوسرے مقام تک پہنچ سکتی ہیں تو ہمارے خدا میں بھی یہ طاقت ہے کہ وہ ریڈیو سے کام لیتے ہوئے میری آواز کو دنیا کے کناروں تک پہنچا دے۔ خدا نے میری اس بات کو پورا کیا اور ہندوستان اور انگلستان کے مفاد کے لئے میں نے جس آواز کو بلند کیا تھا وہ ہندوستان اور انگلستان اور امریکہ میں تھوڑے ہی دنوں میں گونجنے لگ گئی۔ لیکن یہ آواز بلند ہوئی تھی اُس کی تکمیل کے لئے ابھی ایک ایسے انسان کی ضرورت تھی جو ان معاملات میں صاحبِ اقتدار ہو۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اس غرض کے لئے وہ شخص پکڑا جن کے متعلق کہا جاتا تھا کہ انہیں ہندوستان کے معاملات میں کوئی دلچسپی نہیں۔ وہ ہندوستان کی آزادی کے حق میں نہیں۔ بلکہ یہاں تک کہا جاتا تھا کہ سر کرپس جو ہندوستان میں آزادی کی تجاویز لائے تھے ان کی تجاویز میں اگر کسی نے رخنہ ڈالا تو وہ لارڈ ویول ہی تھے۔

غرض وہی شخص جس پر یہ بدظنی اور بدگمانی کی جاتی تھی اِس تقریر پر دو تین مہینہ گزرنے کے بعد ہی اللہ تعالیٰ نے اُس کے دل میں ایسی تحریک پیدا کی کہ وہ ہندوستان سے انگلستان پہنچا تا کہ وہ وزارت سے یہ مطالبہ کرے کہ وقت آگیا ہے کہ ہندوستان کو آزاد کر دیا جائے۔ اور جیسا کہ انگلستان کے اخبارات سے پتہ لگتا ہے وزارت کے ایک حصہ نے سختی سے ان کی تجاویز کی مخالفت کی۔ یہاں تک کہ اخبارات میں شائع ہوا کہ لارڈ ویول استعفیٰ دینے کے لئے تیار ہو گئے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ اگر ہندوستان کی آزادی کے متعلق میری بات نہ مانی گئی تو

میں اپنے عُہدہ سے مستعفی ہو جاؤں گا۔ چنانچہ برابر چھ ہفتے تک اِس قسم کی خبریں آتی رہیں۔ بعض وزراء پر یہ الزام لگایا گیا کہ وہ لارڈ ویول کی تجاویز کی مخالفت کر رہے ہیں۔ اور لارڈ ویول کی طرف یہ بات منسوب کی گئی کہ وہ سختی کے ساتھ اپنی تجاویز پر مُصِر ہیں اور کہتے ہیں کہ میں اپنی باتیں منوا کر چھوڑوں گا ورنہ اپنے عُہدے سے الگ ہو جاؤں گا۔ اور حق یہ ہے کہ اگر غیر معمولی سامان خدا تعالیٰ کی طرف سے پیدا نہ ہوتے تو غالباً لارڈ ویول مایوس ہونے کی حالت میں ہی ہندوستان واپس آتے۔ یا اگر ان کے مستعفی ہونے کی خبر سچی تھی تو بجائے مایوس واپس آنے کے وہ استعفیٰ دے کر الگ ہو جاتے۔ لیکن اِس دوران میں خدا تعالیٰ نے یہ سامان کیا کہ لیبر پارٹی نے یہ فیصلہ کر لیا کہ ہم مشترک وزارت سے علیحدہ ہونا چاہتے ہیں۔ لیبر پارٹی کے اس فیصلہ پر مسٹر چرچل وزیر اعظم نے فوراً نئے انتخابات کا اعلان کر دیا۔ باوجود اس کے کہ لیبر پارٹی نے زور دیا کہ ابھی ایسا نہ کیا جائے اور باوجود اِس کے کہ لیبر پارٹی کی تعداد پارلیمنٹ میں تھوڑی تھی اور اس کے الگ ہونے سے گورنمنٹ کو کوئی نقصان نہیں پہنچ سکتا تھا مسٹر چرچل نے اصرار کیا کہ ہم نیا انتخاب کرائیں گے۔ جب انہوں نے اس بات پر اصرار کیا اور لیبر پارٹی نے سمجھ لیا کہ اسے اب بہر حال مقابلہ کرنا پڑے گا تو اس نے اپنا آئندہ پروگرام تیار کیا جس میں ایک تجویز یہ رکھی کہ ہندوستان کو آزادی کا حق دے دیا جائے۔ لارڈ ویول کی تجاویز پر بے شک گورنمنٹ نے مشورہ کیا تھا اور اس میں لیبر پارٹی کے ممبر بھی شامل تھے لیکن وزارت جس میں کثرت کنزرویٹو پارٹی کی تھی وہ ابھی اِس فیصلہ کو شائع کرنے کے لئے تیار نہیں تھی۔ اور باوجود فیصلہ کے وہ اس کے راستہ میں روکیں پیدا کر رہی تھی لیکن خدا نے ان روکوں کو دور کرنے کا یہ سامان کیا کہ لیبر پارٹی نے اعلان کر دیا کہ ہم آئندہ الیکشن میں ہندوستان کی آزادی کا سوال اُٹھائیں گے اور ملک کے سامنے یہ بات رکھیں گے کہ کنزرویٹو ہندوستان کو آزادی دینا نہیں چاہتے اور اس طرح وہ حکومت کو کمزور کر رہے ہیں۔ اگر تم نے ہم کو حکومت میں بھیج دیا اور لیبر پارٹی برسرِ اقتدار آگئی تو ہم ہندوستان کو آزاد کر دیں گے اور اس طرح انگلستان اور ہندوستان کے درمیان جو ایک پُرانا جھگڑا چلا آرہا ہے وہ دور ہو جائے گا۔ اور برطانوی حکومت پہلے سے زیادہ مضبوط ہو جائے گی۔ جب لیبر پارٹی کی طرف سے یہ اعلان ہوا تو کنزرویٹو پارٹی

مجبور ہو گئی کہ وہ بھی ہندوستان کی آزادی کا سوال اٹھائے۔ اگر کنزرویٹو پارٹی یہ سوال نہ اٹھاتی تو آئندہ الیکشن میں اس کو سخت مشکلات پیش آنے کا خطرہ تھا۔ یہ تیسری غیر معمولی بات تھی جو پیدا ہوئی۔ اور اللہ تعالیٰ نے ایسے سامان پیدا کر دیئے کہ کنزرویٹو پارٹی اپنے فیصلے کو جلد تر نافذ کرنے پر مجبور ہو گئی۔ ورنہ نئے انتخابات میں اس کے لئے کامیابی کا حاصل کرنا بہت مشکل ہو جاتا۔ کیونکہ انگلستان کی عام رائے اِس بات کے حق میں ہے کہ اب ہندوستان کو کسی نہ کسی طرح خوش کرنا چاہیے ورنہ برطانوی حکومت کمزور ہو جائے گی۔

اس تغیر کے نتیجہ میں وہ بات جس کے لئے لارڈ ویول چھ ہفتہ سے انگلستان میں مقیم تھے اور جس کے اکثر حصے کا گو تصفیہ ہو چکا تھا مگر اعلان میں بعض روکیں حائل تھیں اس کا دو تین دنوں میں ہی اعلان ہو گیا۔ وہ انگلستان سے ہندوستان واپس آئے اور انہوں نے ہندوستان کے سامنے آزادی کی سکیم پیش کر دی۔ یہ ایک عجیب بات ہے کہ اس سکیم میں قریباً وہی فقرات درج ہیں جو میرے خطبہ میں تھے۔ انہوں نے لکھا ہے کہ انگلستان ہندوستان کی طرف اپنا صلح کا ہاتھ بڑھاتا ہے کیونکہ آئندہ سخت خطرات پیش آنے والے ہیں۔ ہندوستان کو اپنے جائز مقام اور جائز حق کے حاصل کرنے میں کوتاہی نہیں کرنی چاہیے۔ یہ ہندوستان کا کام ہے کہ وہ اس پیشکش کو قبول کرے اور پرانے زخموں کو تازہ نہ کرے۔ یہ ویسا ہی فقرہ ہے جیسے میں نے کہا تھا کہ نئے سمجھوتہ میں پرانی باتیں بُھول جانی چاہئیں۔ یہ وہ پیشکش ہے جو اِس وقت ہندوستان کے سامنے ہے۔ اور چونکہ یہ غیر معمولی آسمانی سامانوں کے ساتھ پیش ہوئی ہے اِس لئے میں سمجھتا ہوں کہ یہ خدائی پیشکش ہے اور ہندوستان کی نہایت ہی بدقسمتی ہو گی کہ اگر اس نے اس پیش کش کو رد کر دیا۔

میں تو سمجھ ہی نہیں سکتا کہ ہندوستانی لیڈر باوجود اِس کے کہ ان میں بعض بڑے بڑے سمجھدار اور بڑے بڑے عقلمند ہیں کس طرح اس بات کو نظر انداز کر رہے ہیں کہ انگریزوں کے ہاتھ میں سو فیصدی اختیارات کے ہوتے ہوئے اگر وہ آزادی کی امید رکھتے ہیں تو نوے فیصدی اختیارات اگر ان کے اپنے ہاتھ میں آجائیں تو کیوں وہ آزادی کی امید نہیں رکھ سکتے۔ اگر انگریزوں کو دشمن سمجھ لیا جائے تو بھی یہ غور کرنا چاہیے کہ اگر کسی دشمن کے پاس

سو بندوقیں ہوں لیکن دوسرے شخص کے پاس کوئی ایک بندوق بھی نہ ہو اور اس حالت میں بھی وہ سمجھتا ہو کہ میں اپنے دشمن کا مقابلہ کر کے جیت جاؤں گا تو اگر فرض کرو اُس کا دشمن اُسے کہے کہ نوّے بندوقیں تم مجھ سے لے لو اور دس میرے پاس رہنے دو۔ تو ایسی حالت میں اگر وہ کہے کہ میں نوّے نہیں لوں گا جب دوگے سَو ہی لوں گا تو کیا ایسے شخص کو کوئی بھی عقلمند کہہ سکتا ہے؟ یقیناً ہر شخص اُسے نادان اور ناسمجھ ہی قرار دے گا۔ اِسی طرح خواہ کچھ کہہ لو اِس میں کچھ شبہ نہیں کہ ہندوستان کو جو بھی اختیارات ملیں، زیادہ ملیں تب بھی اور کم ملیں تب بھی وہ اختیارات بہر حال ہندوستان کے لئے مفید اور بابرکت ہوں گے اور وہ ہندوستان کو پہلے کی نسبت آزادی کے زیادہ قریب کر دیں گے۔ پس میرے نزدیک ہندوستان کو اِس پیشکش کو قبول کرنا انگریزوں سے صلح کرنا نہیں بلکہ اپنے آپ پر اور اپنی آئندہ آنے والی نسلوں پر احسان عظیم کرنا ہے۔ دو سَو سال سے ہندوستان غلامی کی زندگی بسر کرتا چلا آیا ہے اور یہ ایک ایسی خطرناک بات ہے جو انسانی جسم کو کپکپا دیتی ہے۔ بے شک بعض لوگ ایسے اعلیٰ اخلاق کے مالک ہوتے ہیں کہ خواہ انہیں قید خانوں کے اندر رکھا جائے تب بھی وہ آزاد ہوتے ہیں غلامی اُن کے قریب بھی نہیں آتی۔ مگر بیشتر حصہ بنی نوع انسان کا ایسا ہی ہوتا ہے جو ظاہری غلامی کے ساتھ دلی غلام بھی بن جاتا ہے۔ ہم ہندوستان میں روزانہ اِس قسم کے نظارے دیکھتے ہیں جو اِس غلامی کا ثبوت ہوتے ہیں جو ہندوستانیوں کے قلوب میں پائی جاتی ہے۔ ان واقعات کو دیکھنے کے بعد کون شخص ہندوستانیوں کی غلامی سے انکار کر سکتا ہے۔

اِسی ضلع کی بات ہے یہاں ایک دفعہ ایک انگریز ڈپٹی کمشنر آئے ان کو شکار کا شوق تھا۔ یہ میرے ابتدائی ایامِ خلافت کا واقعہ ہے یا حضرت خلیفہ اول کی وفات کے قریب کی بات ہے۔ بہر حال وہ ایک دن شکار کے لئے نکلے تو ایک جوہڑ میں جو کسی گاؤں کے پاس تھا نمبر دار کی بطخیں تیر رہی تھیں۔ کسی نے غلطی سے اُنہیں کہہ دیا کہ مگھ آئے ہوئے ہیں۔ انہوں نے فائر کر دیا۔ فائر کے بعد جب وہ قریب گئے تو سمجھ گئے یہ تو بطخیں تھیں جن کو غلطی سے مگھ سمجھ کر فائر کر دیا گیا ہے۔ انہوں نے نمبر دار کو بلایا اور پانچ روپے کا نوٹ اپنی جیب سے نکال کر اسے دیا کہ لو یہ روپے میں تمہیں دیتا ہوں۔ مگر وہ اِس ذہنیت کی وجہ سے کہ کہیں ڈپٹی کمشنر کو یہ

احساس نہ ہو جائے کہ میں نے ان کے فعل کو بُرا سمجھا ہے کہنے لگا صاحب! شکار تو آپ نے مارا ہے مجھے کیسا انعام دے رہے ہیں۔ ڈپٹی کمشنر نے کہا بے شک شکار ہم نے مارا لیکن تم یہ روپے لے لو۔ مطلب یہ تھا کہ یہ تمہاری بطخوں کی قیمت ہے میں نے غلطی سے ان کو مار ڈالا ہے اب یہ روپے ان کی قیمت کے طور پر لے لو۔ مگر وہ یہی کہتا رہا کہ آپ مجھے کیوں انعام دیتے ہیں شکار تو آپ نے کیا ہے۔ یہ ذہنیت اَور کسی ملک میں نظر نہیں آسکتی۔ یہاں اگر انگریز کسی کو مارتا بھی چلا جائے تو اُس میں جرأت نہیں ہوتی کہ وہ اُس کے مقابلہ میں اپنی زبان ہِلا سکے۔ اب تو پھر بھی لوگوں میں کچھ آزادی کی روح پیدا ہو گئی ہے لیکن آج سے چند سال پہلے یہ حال تھا کہ کسی انگریز کے ساتھ لوگ ریل کے ایک کمرہ میں بھی سوار نہیں ہو سکتے تھے۔ اگر کسی ڈبہ میں انگریز بیٹھا ہوتا تھا تو بڑے بڑے ہندوستانی افسر وہاں سے ٹل جاتے تھے کہ صاحب بہادر اندر بیٹھے ہیں۔ خواہ صاحب بہادر ان کے نوکروں سے بھی ادنیٰ ہوں۔

ہندوستان کے لوگوں کی یہ حالت جو بیان کی گئی ہے اس میں اعلیٰ اخلاق کے لوگ شامل نہیں۔ ان لوگوں کی تو یہ حالت ہوتی ہے کہ خواہ وہ صلیب پر لٹک رہے ہوں یا جیل خانوں میں بند ہوں تب بھی وہ آزاد ہوتے ہیں۔ کیونکہ اصل آزادی جسم کی آزادی نہیں بلکہ دل کی آزادی ہے۔ آزاد قوموں کے جرنیل جب لڑائی میں پکڑے جاتے ہیں تو کیا تم سمجھتے ہو کہ وہ غلام بن جاتے ہیں؟ وہ غلام نہیں بلکہ آزاد ہوتے ہیں۔ بے شک انہیں بند جگہوں میں رکھا جاتا ہے لیکن بند جگہوں میں رہنے کے باوجود وہ آزاد ہوتے ہیں۔ مگر ہندوستان وہ ملک ہے جس کا بیشتر حصہ بلکہ ننانوے فیصدی حصہ یقیناً غلام ہو چکا ہے۔ اس قسم کی حالت کو اگر لمبا کیا جائے تو اس سے زیادہ اپنی قوم کے ساتھ اور کوئی دشمنی نہیں ہو سکتی۔ میں تو کہتا ہوں ایک ویٹو کیا اگر وائسرائے کو دس ویٹو بھی دے دیئے جائیں تب بھی اس تغیر کی وجہ سے ہندوستان میں جو آزادی کی روح پیدا ہو گی وہ اس قابل ہے کہ اُس کو خوشی سے قبول کیا جائے۔ جب تک ہندوستانیوں کے ذہن سے یہ نہیں نکل جائے گا۔ (اور ہندوستانیوں سے مراد جیسا کہ میں پہلے بھی بیان کر چکا ہوں عوام الناس ہیں نہ کہ اعلیٰ طبقہ کے لوگ) کہ وہ انگریزوں کے غلام ہیں اُس وقت تک ہندوستان سے کسی بہتری یا کسی بڑے کام کی امید رکھنا بالکل فضول اور عبث

ہے۔ لیڈر ہونا اَور بات ہے لیکن کام عوام الناس کیا کرتے ہیں۔ ہٹلر نے انگلستان سے لڑائی کی اور بے شک بڑی جرأت اور بہادری دکھلائی مگر لڑا ہٹلر نہیں بلکہ جرمن قوم لڑی۔ سٹالن نے بے شک ایک اعلیٰ مہارت جرنیل کی دکھائی اور لوگ سٹالن کی تعریف کرتے ہیں لیکن سٹالن، سٹالن نہیں بن سکتا تھا جب تک روس کا ہر آدمی بہادر اور دلیر نہ ہوتا۔ انگلستان میں مسٹر چرچل نے بے شک بڑا کام کیا ہے لیکن مسٹر چرچل کیا کام کر سکتے تھے اگر ہر انگریز اپنے اندر وہ اخلاق نہ رکھتا جو عام طور پر انگریزوں میں پائے جاتے ہیں۔ اِسی طرح مسٹر روز ویلٹ کو بھی بڑی عزت اور شُہرت حاصل ہوئی۔ مگر ان کو عزت اور شُہرت اِسی وجہ سے حاصل ہوئی کہ امریکن لوگوں نے قربانی کی ایک بے نظیر روح دکھائی۔ ہندوستان میں بھی بے شک گاندھی جی کو اونچا کرنے کے لئے لوگ کتابیں لکھتے اور تقریریں کرتے ہیں لیکن کوئی اکیلا گاندھی یا دو درجن گاندھی یا بیس درجن گاندھی یا ہزار گاندھی بھی ہندوستان کو آزاد نہیں کرا سکتا جب تک عوام الناس میں آزادی کی روح پیدا نہ ہو۔ پس صرف گاندھی اور نہرو کو دیکھ کر یہ خیال کر لینا کہ ہندوستان ترقی کر رہا ہے محض حماقت ہے۔ چند بڑے بڑے لیڈروں کی وجہ سے یہ سمجھ لینا کہ ہندوستان میں آزادی کی روح پیدا ہو گئی ہے ویسی ہی جہالت کی بات ہے جیسے بلی کبوتر پر حملہ کرتی ہے تو وہ اپنی آنکھیں بند کر لیتا ہے اور خیال کرتا ہے کہ میں امن میں آگیا ہوں۔ جب تک ہندوستان کے عوام الناس کو ہم آزادی کی روح سے آشنا نہیں کر لیتے، جب تک ہندوستان کے مزدوروں کو ہم آزادی کی روح سے آشنا نہیں کر لیتے، جب تک ہندوستان کے زمینداروں کو ہم آزادی کی روح سے آشنا نہیں کر لیتے اور جب تک ہم ان میں بیداری اور حرکت پیدا نہیں کر لیتے اُس وقت تک نہ ہندوستان آزاد ہو سکتا ہے نہ ہندوستان حقیقی معنوں میں کوئی کام کر سکتا ہے۔ اور یہ آزادی پیدا نہیں ہو سکتی جب تک موجودہ دَور بدل نہ جائے۔ جب تک ہندوستانیوں کے ذہن سے یہ نکل نہ جائے کہ ہم غلام ہیں۔ جس دن ہندوستانیوں کے ذہن سے غلامی کا احساس نکل جائے گا اُس دن ان میں تعلیم بھی آجائے گی، ان میں جرأت اور دلیری بھی پیدا ہو جائے گی اور ان میں قربانی اور ایثار کی روح بھی رونما ہو جائے گی۔ جب انسان یہ سمجھتا ہے کہ میں کسی کا غلام ہوں تو وہ کہتا ہے مجھے کیا زمین اُلٹی ہو یا سیدھی، آسمان گرے یا قائم رہے فائدہ تو مالک کو

ہے میں کیوں تکلیف اٹھاؤں۔ میں سمجھتا ہوں وہ لیڈر، لیڈر نہیں ہوں گے بلکہ اپنی قوم کے دشمن ہوں گے جو ان حالات کے بدلنے کے امکان پیدا ہونے پر بھی چھوٹی چھوٹی باتوں کی وجہ سے ضد کر کے بیٹھ جائیں۔ اور ان معمولی معمولی باتوں میں اس اہم ترین موقع کو ضائع کر دیں کہ فلاں کو کانفرنس میں کیوں لیا گیا اور فلاں کو کیوں نہیں لیا گیا۔ لوگ تو اپنے جسم کو بچانے کے لئے اپنے اور اپنے بچوں کے اعضا تک کٹوا دیتے ہیں لیکن یہاں یہ سوال پیدا کئے جا رہے ہیں کہ فلاں کو نمائندہ سمجھا جائے اور فلاں کو نہ سمجھا جائے، فلاں کو شامل کیا جائے اور فلاں کو شامل نہ کیا جائے۔ حالانکہ جس شخص کے دل میں حقیقی درد ہوتا ہے وہ ہر قسم کی قربانی کر کے اپنی قیمتی چیز کو بچانے کی کوشش کیا کرتا ہے۔

یہودی تاریخ میں ایک مشہور واقعہ آتا ہے۔ لکھا ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام اپنے والد کی زندگی میں ایک موقع پر جج کے طور پر کام کر رہے تھے کہ دو عورتیں ان کے پاس اپنا مقدمہ لے کر آئیں۔ وہ دونوں ایک شخص کی بیویاں تھیں۔ اور دونوں اپنے کسی رشتہ دار سے ملنے کے لئے اکٹھی روانہ ہوئیں۔ دونوں کا ایک ایک بیٹا تھا۔ راستہ میں وہ جنگل میں سے گزر رہی تھیں کہ ایک مقام پر بھیڑیا حملہ کر کے ان میں سے ایک کا بیٹا اٹھا کر لے گیا۔ جس عورت کا بیٹا بھیڑیا اٹھا کر لے گیا تھا اُسے جب یہ بات معلوم ہوئی تو اس نے فوراً دوسری عورت کا بیٹا اٹھا لیا اور کہا یہ میرا بچہ ہے۔ چونکہ خاوند سفر پر گیا ہوا تھا اور سال دو سال اسے گزر چکے تھے وہ سمجھتی تھی کہ اگر خاوند واپس آیا تو وہ پہچان نہیں سکے گا کہ یہ بیٹا اُس کا نہیں بلکہ دوسری کا ہے۔ اسے یہ بھی خیال تھا کہ اگر میرا بیٹا نہ ہوا تو خاوند میری سوت سے محبت کرنے لگ جائے گا اور میری طرف اِس کی توجہ کم ہو جائے گی اِس وجہ سے اُس نے اپنی سَوت کا بچہ اٹھا لیا اور کہا کہ یہ میرا ہے۔ اِس پر دونوں میں لڑائی شروع ہو گئی۔ ایک کہتی یہ میرا بچہ ہے اور دوسری کہتی کہ یہ میرا بچہ ہے۔ مقدمہ کئی قاضیوں کے پاس گیا مگر سب حیران تھے کہ ہم کیا کریں۔ دو گواہ ہیں تیسرا آدمی کوئی گواہی دینے والا نہیں اور دونوں آپس میں لڑ رہی ہیں۔ اب اس جھگڑے کا کس طرح فیصلہ کیا جائے۔ آخر یہ معاملہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے پاس پہنچا۔ انہوں نے سنتے ہی پتہ لگا لیا کہ اس مقدمہ کا دلائل سے ثابت کرنا بالکل ناممکن ہے۔ انہوں نے بھولے پن سے

جیسے کوئی بالکل ناواقف ہوتا ہے یہ کہا کہ اس میں لڑائی کی کونسی بات ہے خوامخواہ تم جھگڑ رہی ہو، سیدھی بات ہے میں ابھی چُھری منگوا کر اِس بچے کو آدھا آدھا کر دیتا ہوں اور تم دونوں میں بانٹ دیتا ہوں۔ جب حضرت سلیمان علیہ السلام نے اِس طرح فیصلہ دیا تو وہ جو سوتیلی ماں تھی اُس نے سمجھا کہ میرا لڑکا تو مر ہی چکا ہے اگر یہ بھی مر گیا تو ہم دونوں برابر ہو جائیں گی اُس نے کہا ہاں یہی انصاف ہے۔ مگر جو اصلی ماں تھی اُس نے کہا حضور! مَیں جھوٹ بول رہی تھی یہ اِس کا بچہ ہے میرا نہیں آپ اِسی کو دے دیں اور اسے ذبح نہ کریں۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے اِس پر وہ بچہ اصلی ماں کے حوالے کر دیا اور کہا یہ تیرا ہی بچہ ہے اس عورت کا نہیں جو اسے کاٹنے پر خوش ہو رہی تھی۔ 1

تو دیکھو سچی محبت میں انسان اپنی چیز بچانے کے لئے ہر قسم کی قربانی کرنے کے لئے تیار ہو جاتا ہے۔ یہاں چالیس کروڑ انسان غلامی میں مبتلا ہے، چالیس کروڑ انسان کی ذہنیت نہایت خطرناک حالت میں بدل چکی ہے۔ نسلاً بعد نسلٍ وہ ذلت اور رسوائی کے گڑھے میں گرتے چلے جاتے ہیں۔ وہ انگریز جس نے ہندوستان پر قبضہ کیا ہوا ہے وہ ہندوستان کو آزادی دینے کا اعلان کر رہا ہے۔ لیکن سیاسی لیڈر آپس میں لڑ رہے ہیں کہ تمہارے اتنے ممبر ہونے چاہئیں اور ہمارے اتنے۔ اگر ہندوستان کی سچی محبت ان کے دلوں میں ہوتی تو مَیں سمجھتا ہوں ان میں سے ہر شخص کہتا کہ کسی طرح ہندوستان آزاد ہو جائے۔ کسی طرح چالیس کروڑ انسان غلامی کے گڑھے سے نکل آئے۔ چلو تم ہی سب کچھ لے لو مگر ہندوستان کی آزادی کی راہ میں روڑے مت اٹکاؤ۔ لیکن بجائے اِس کے کہ انہیں ہندوستان کی آزادی کا فکر ہو، انہیں چالیس کروڑ انسانوں کی غلامی کی زنجیریں کاٹنے کا احساس ہو، وہ معمولی معمولی باتوں پر آپس میں لڑ رہے ہیں۔

پس ہماری جماعت کے دوستوں کو چاہیے کہ وہ ان دنوں میں خاص طور پر دعائیں کریں کہ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو ہدایت دے، ان کی بینائی کو تیز کرے اور وہ خدائی تحریک جو میرے خطبہ کے نتیجہ میں پیدا ہوئی ہے اُس سے اِنہیں فائدہ اٹھانے کی توفیق عطا کرے۔ ایسا نہ ہو کہ وہ اپنی غفلت اور کوتاہی سے اِس اہم موقع کو ضائع کر دیں اور وہ مزید بیس یا پچاس یا

سو سال تک ہندوستان کو غلامی کے گڑھے میں دھکیلنے والے بن جائیں۔ بے شک ایسی حالت میں ان کی لیڈریاں ہی قائم رہیں گی مگر ملک غلام کا غلام بنا رہے گا۔ اور میں تو کہتا ہوں ہر شریف انسان اپنی لیڈری پر لعنت بھیجنے سے بھی زیادہ کے لئے تیار ہو گا اگر اس کا ملک غلامی میں پڑا رہے اور وہ اپنی لیڈری کے خیال میں مست رہے۔ ہم ایک قلیل جماعت ہیں اور ہم ان حالات کو دیکھنے کے باوجود کچھ کر نہیں سکتے۔ لیکن ہماری جماعت یہ دعا ضرور کر سکتی ہے کہ اے خدا! خواہ مسلمان لیڈر ہوں یا ہندو تُو اِن کی آنکھیں کھول اور انہیں اِس بات کی توفیق عطا فرما کہ وہ ہندوستان کے چالیس کروڑ غلاموں کی زنجیریں کاٹنے کے لئے تیار ہو جائیں۔ کیونکہ یہ نہ صرف ہمارے لئے مفید ہے بلکہ آئندہ دنیا کے امن کے لئے بھی مفید ہے۔ اگر اِس موقع پر لڑنا جائز ہوتا تو انگریز کو لڑنا چاہیے تھا۔ مگر خدا تعالیٰ کی قدرت ہے کہ وہ وائسرائے جو انگلستان کی طرف سے ہندوستان پر حکومت کرنے کے لئے آیا ہوا ہے وہ کہتا ہے کہ میں ہندوستان کو آزاد کرتا ہوں۔ انگلستان کا صنّاع جو ہندوستان کو لُوٹ کر اپنی صنعت کو فروغ دے رہا ہے وہ کہتا ہے کہ میں ہندوستان کو آزاد کرنے کے لئے تیار ہوں۔ انگلستان کی وہ ٹوری گورنمنٹ (Tory Governament) جو ہندوستان پر ہمیشہ جبری حکومت کے لئے کوشش کرتی چلی آئی ہے وہ کہتی ہے کہ میں ہندوستان کو آزادی دینے کے لئے تیار ہوں۔ انگلستان کی لیبر پارٹی جو نئی پارٹی ہے اور جسے برسرِ اقتدار آنے کا پہلا موقع ملنے والا ہے یا ممکن ہے کچھ دیر کے بعد ملنے والا ہو وہ بھی اعلان کر رہی ہے کہ ہم ہندوستان کو آزادی دینے کے لئے تیار ہیں۔ انگلستان کے پریس کا بیشتر حصہ خواہ ٹوری ہو یا لیبر ہو یا لبرل (Liberal) ہو شور مچا رہا ہے کہ ہندوستان کو آزادی دے دی جائے۔ امریکہ اور فرانس اور دوسرے ممالک جن کا براہِ راست ہندوستان سے کوئی واسطہ نہیں وہ بھی شور مچا رہے ہیں کہ ہندوستان کو آزادی دے دی جائے۔ لیکن اگر انگلستان ہندوستان کو آزادی دینے کے لئے تیار ہے تو ہندوستان کے اپنے بعض سپوت آزادی لینے کے لئے تیار نہیں ہیں۔ پس اِن دنوں میں اللہ تعالیٰ سے خاص طور پر دعائیں کرو کہ جن لوگوں کے ہاتھ میں یہ معاملات ہیں اللہ تعالیٰ اُنہیں اِس بات کی توفیق عطا فرمائے کہ وہ راہِ راست پر آجائیں اور ہندوستانی غلاموں کی زنجیروں کو کاٹ کر وہ ہندوستان کو اعلیٰ مقام پر

پہنچانے والے ثابت ہوں۔

اسی سلسلہ میں مَیں اپنے ایک رؤیا کا ذکر کرنا چاہتا ہوں جو نہایت عظیم الشان طور پر پورا ہوا ہے۔ غالباً 8 یا 9۔ اپریل کی بات ہے میں اُن دنوں لاہور میں تھا کہ میں نے یہ رؤیا دیکھا اور میں نے لاہور میں ہی جماعت کے کئی دوستوں کو سنا دیا۔ اس کے بعد یہاں بھی اپنی مجلس میں مَیں نے اس رؤیا کا ذکر کیا۔ تین چار سَو کا مجمع تھا جس میں مَیں نے اپنے اس خواب کو بیان کیا۔ لیکن مجھے افسوس ہے کہ جیسے ہمارے ہندوستانی لوگوں پر کام کرتے وقت عام طور پر نحوست اور سستی چھا جاتی ہے یہی نقص ہماری جماعت کے بعض لوگوں میں بھی پایا جاتا ہے۔ چنانچہ دس بارہ دن کے بعد جب میں نے دریافت کیا کہ اُس دن کی خوابوں والی ڈائری میرے پاس کیوں نہیں آئی؟ تو ڈائری نویسی کے محکمہ نے اطلاع دی کہ ہمارے ڈائری نویس صاحب معذرت کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ چونکہ دو دن پہلے آپ بیمار تھے اور مسجد میں تشریف نہیں لائے تھے اس لئے اُنہوں نے فرض کر لیا کہ آپ تیسرے دن بھی تشریف نہیں لائیں گے اور اس طرح وہ ڈائری قلمبند ہونے سے رہ گئی۔ بہرحال تین چار سو کے مجمع میں مَیں نے اپنے اس خواب کو بیان کر دیا تھا اور لاہور میں بھی کئی دوستوں کے سامنے اس کا ذکر کیا تھا۔ وہ رؤیا یہ تھا کہ ابوالکلام صاحب آزاد کے متعلق مجھے بتایا گیا کہ قریب عرصہ میں ان کی ذات کے متعلق ایک عظیم الشان واقعہ ہونے والا ہے۔ مَیں نے اس رؤیا کی تعبیر یہ بتائی تھی کہ انسانی زندگی میں دو ہی واقعات عظیم الشان ہوتے ہیں یا تو اس کا مر جانا اور یا جس کام میں وہ مشغول ہو اُس میں اُسے کسی عظیم الشان خدمت کا موقع مل جانا۔ پس میں نے کہا تھا کہ یا تو اس خواب میں ان کی موت کی طرف اشارہ ہے یا آزاد ہو جانے پر کسی بڑے کام کا موقع پانے کی طرف۔ اس رؤیا کے دو ماہ کے بعد ایسے حالات پیدا ہوئے کہ لارڈ ویول کی طرف سے ہندوستان کی آزادی کا سوال پیش کیا گیا اور چونکہ خدا نے اس رؤیا کو پورا کرنا تھا اس لئے اس نے اس رؤیا کو نمایاں طور پر پورا کرنے کے سامان اس طرح پیدا کئے کہ لارڈ ویول نے جن کو دعوت نامے بھیجے اُن میں ابوالکلام صاحب آزاد کا نام نہیں تھا۔ گاندھی جی کو جب معلوم ہوا تو انہوں نے شمولیت سے انکار کر دیا۔ اور کہا کہ میں کانگرس کا نمائندہ نہیں۔ کانگرس کے صدر مولانا ابوالکلام آزاد

ہیں۔ آپ مجھے ایک غیر جانبدار شخص کے طور پر بلا سکتے ہیں مگر کانگرس کی نمائندگی کے لئے آپ ابو الکلام صاحب آزاد کو بلائیں۔ چنانچہ اس کے بعد لارڈ ویول کی طرف سے ابوالکلام صاحب آزاد کو بھی دعوت دی گئی۔ اب چاہیں تو وہ اس موقع سے فائدہ اٹھالیں اور چاہیں تو اس کو ضائع کر دیں۔ بہر حال اِس میں کوئی شبہ نہیں کہ ہندوستان کی سیاسی زندگی میں یہ سب سے اہم موقع ہے جو مولانا ابوالکلام صاحب آزاد کو ملا ہے۔ اِس وقت ہندوستان کی آزادی کا سوال پیش ہے اگر وہ اس کو رد کر دیں تب بھی یہ ایک بڑا واقعہ ہے جو ان کی طرف منسوب ہو گا۔ اور اگر وہ اس سے فائدہ اٹھا کر ہندوستان کو آزاد کرا دیں تب بھی یہ ایک بڑا واقعہ ہے جو ان کی طرف منسوب ہو گا۔ اور اگر وہ اس کو رد کر دیں گے تو آئندہ آنے والی نسلیں ہمیشہ ان پر لعنت کریں گی کہ ہندوستان کو آزادی حاصل ہونے والی تھی مگر ابوالکلام آزاد کی وجہ سے آزادی نہ ملی۔ اور اگر وہ اس کوشش میں کامیاب ہوگئے اور انہوں نے سمجھوتہ کرا دیا تو آئندہ آنے والی نسلیں ان کے لئے دعائیں کریں گی کہ خدا ابوالکلام پر رحمت کرے کہ جب ہندوستان کی آزادی کا سوال آیا تو انہوں نے اس موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ایسی طرز پر کام کیا کہ ہندوستان کو آزادی نصیب ہو گئی۔

ہمارے ہاں مشہور ہے کہ کوئی شخص حج کے لئے گیا تو چشمۂ زمزم میں پیشاب کرنے بیٹھ گیا۔ لوگوں نے یہ دیکھ کر اُسے مارا پیٹا اور کہا کہ نامعقول! تُو نے یہ کیا حرکت کی ہے؟ اس نے جواب دیا کہ بات اصل میں یہ ہے کہ میں ہمیشہ سوچا کرتا تھا کہ کوئی ایسا کام کروں جس سے میری شُہرت ہو جائے۔ جو بھی لیاقت کا کام ہوتا میں دیکھتا کہ ہزاروں آدمی مجھ سے زیادہ لائق ہیں اور میں ان کے مقابلہ میں کوئی شہرت حاصل نہیں کر سکتا۔ آخر مَیں یہاں حج کرنے کے لئے آیا تو مجھے خیال آیا یہ کام آج تک کسی نے نہیں کیا ہو گا اگر میں ایسا کروں تو میری دنیا میں خوب شہرت ہو جائے گی۔ تو بڑے کام بُرے بھی ہوتے ہیں اور اچھے بھی۔

بہر حال یہ ایک ایسا موقع ابوالکلام صاحب کو ملا ہے کہ اگر وہ اس کو رد کر دیں تب بھی اتنا بُرا کام اور کسی نے نہیں کیا ہو گا اور اگر وہ اس سے فائدہ اٹھائیں اور اس تحریک کو قبول کر لیں تب بھی اتنا اچھا کام پچھلی کئی صدیوں میں کسی نے نہیں کیا ہو گا۔ پس وہ رؤیا اِس صورت

میں پورا ہو چکا ہے۔ مگر مجھے افسوس ہے کہ ڈائری نویسوں کی سُستی کی وجہ سے وہ رؤیا شائع نہیں ہوا۔ بہر حال اُس روز قادیان کے تین چار سَو افراد شام کی مجلس میں موجود تھے جنہوں نے یہ رؤیا میری زبان سے سنا اور وہ اس رؤیا کی صداقت کے گواہ ہیں۔

غرض اللہ تعالیٰ کی یہ بڑی بھاری حکمت معلوم ہوتی ہے کہ اول میں نے ہندوستان کی آزادی کے متعلق خطبہ پڑھا۔ پھر میری آواز چودھری ظفر اللہ خان صاحب کے ذریعہ انگلستان پہنچی اور پریس میں ایک شور مچ گیا۔ اس کے بعد لارڈ ویول ہندوستان کی آزادی کے متعلق تجاویز لے کر انگلستان گئے اور وزارت سے دیر تک بحث کرتے رہے۔ اِسی دوران میں پارلیمنٹ کے نئے انتخابات کا سوال آ گیا اور آخر کنزرویٹو پارٹی اِس بات پر مجبور ہو گئی کہ وہ جلد سے جلد اِس سوال کو اٹھائے۔ پھر خدا تعالیٰ نے مجھے قبل از وقت خبر دے دی کہ ابو الکلام صاحب آزاد کی زندگی سے ایک بہت بڑا کام وابستہ ہے۔ چنانچہ اِنہی کی پریذیڈنٹی میں یہ سوال اٹھا حالانکہ اگر وہ فوت ہو جاتے یا پریذیڈنٹ بدل جاتا تو یہ کام ان کی طرف منسوب نہ ہو سکتا۔ پس یہ تمام واقعات خدائی مشیّت کے ماتحت ہوئے ہیں۔ اور اس کے نشانات میں سے یہ ایک عظیم الشان نشان ہے جو ظاہر ہوا ہے۔ یہ نشانات جو متواتر اللہ تعالیٰ کی طرف سے ظاہر ہو رہے ہیں ہماری جماعت کے مخلصین کے ایمانوں میں زیادتی کا موجب ہونے چاہئیں اور انہیں دیکھنا چاہیے کہ کس طرح یکے بعد دیگرے اللہ تعالیٰ ان کے لئے ایسے نشانات ظاہر کر رہا ہے جو انسانی طاقت و قوت سے بالکل بالا ہیں۔ اس کے نتیجہ میں ہماری جماعت کو اپنے اخلاص اور اپنے ایمان اور اپنی قربانیوں میں نمایاں طور پر ترقی کرنی چاہئے۔

مَیں نے گزشتہ خطبہ میں بیان کیا تھا کہ بے شک جماعت مالی قربانی کر رہی ہے مگر جہاں تک تحریک جدید کا تعلق ہے اِس میں جماعت نے سُستی سے کام لیا ہے۔ اب بھی باوجود میرے خطبہ کے جماعت میں شائع ہونے کے جماعت میں سُستی کے آثار نظر آتے ہیں۔ سات مہینے تحریک جدید کے گیارہویں سال پر گزر چکے ہیں لیکن ابھی چالیس فیصدی چندہ بھی وصول نہیں ہوا۔ میں سمجھتا ہوں اِس میں زیادہ تر جماعت کی سُستی نہیں کیونکہ انجمن کے چندے باقاعدہ وصول ہو رہے ہیں۔ اس میں زیادہ تر غفلت تحریک جدید کے دفتر کی ہے۔ اگر

لوگوں کے اخلاص اور ان کی قربانی میں کمی آجاتی تو چاہیے تھا کہ دوسرے چندوں میں بھی کمی آجاتی۔ لیکن صدر انجمن احمدیہ کے چندوں میں کمی نہیں آئی بلکہ زیادتی ہو رہی ہے۔ایک دو ہفتوں میں مجھے کمی نظر آئی تھی مگر انہوں نے ثابت کیا ہے کہ بعد کے ہفتوں میں یہ کمی پوری ہو کر پہلے سے بھی زیادہ چندہ وصول ہو گیا ہے۔ پس میں سمجھتا ہوں کہ یا تو جو میں نے کہا تھا کہ ہر انجمن میں اس غرض کے لئے ایک سیکرٹری تحریک جدید ہونا چاہیے دفتر نے اِس نشہ میں کہ میرے خطبات کی وجہ سے جماعت میں ایک عام بیداری پیدا تھی جماعتوں میں سیکرٹریوں کے مقرر کرنے میں کوتاہی سے کام لیا ہے۔ اور یا پھر جو سیکرٹری مقرر ہیں وہ سُست ہیں دفتر نے ان کی نگرانی نہیں کی اور ان کو ہوشیار اور بیدار کرنے کے لئے کوئی جدوجہد نہیں کی۔ بجائے اس کے کہ وہ سیکرٹریوں کو چُست کرتے وہ ہمیشہ اخبار میں یہ اعلان کرتے رہتے ہیں کہ السّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ میں شامل ہونے کا وقت آ گیا۔ یہ ایک فقرہ ہے جو انہوں نے سیکھا ہوا ہے اور اِسی ایک فقرہ کو وہ بار بار دہراتے چلے جاتے ہیں۔ حالانکہ کوئی ایک فقرہ خواہ کتنا ہی بیدار کرنے والا ہو ہمیشہ کے لئے کام نہیں آسکتا۔ تیز سے تیز چُھری بھی تھوڑی دیر چلنے کے بعد کُند ہو جاتی ہے اور ضرورت ہوتی ہے کہ اسے تیز کیا جائے۔

حضرت خلیفہ اول فرمایا کرتے تھے کہ بھوپال میں ایک بزرگ تھے جن سے مَیں عموماً ملنے کے لئے جاتا رہتا تھا۔ ایک دفعہ کچھ دیر کے بعد ملا تو آپ نے فرمایا میاں! کبھی قصاب کی دکان پر بھی گئے ہو؟ میں نے کہا ہاں جناب! کئی دفعہ جاتا ہوں۔ کہنے لگے کیا تم نے دیکھا کہ قصاب کچھ دیر گوشت کاٹنے کے بعد چُھریوں کو آپس میں رگڑ لیتا ہے؟ آپ فرماتے تھے میں نے کہا میں نے ایسا کئی بار دیکھا ہے۔ انہوں نے کہا جانتے ہو وہ چُھریاں آپس میں کیوں رگڑتا ہے؟ اِس لئے رگڑتا ہے کہ چربی میں جب بار بار چُھری جاتی ہے تو کُند ہو جاتی ہے اور ضرورت ہوتی ہے کہ اُسے تیز کیا جائے۔ چنانچہ جب دو چُھریاں آپس میں رگڑی جاتی ہیں تو وہ دونوں تیز ہو جاتی ہیں۔ یہ مثال دے کر فرمانے لگے ہمارا دماغ بھی دُنیوی کاموں میں مشغول رہنے کی وجہ سے کُند ہو جاتا ہے اور تمہارا دماغ بھی کُند ہو جاتا ہو گا۔ کبھی کبھی آجایا کرو تا کہ ہم بھی اپنی چُھریاں آپس میں رگڑ لیا کریں اور میرا اور تمہارا ذہن دونوں تیز ہوتے رہیں۔ تو متواتر

السّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ کے الفاظ کو اخبار میں دہراتے رہنا اثر کو کم کر دیتا ہے اور آخر کثرتِ استعمال کی وجہ سے السّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ کے معنے جاتے رہتے ہیں۔ کام کرنے کا طریق یہ ہوتا ہے کہ تنظیم کی جائے۔ مگر انہوں نے جماعتوں میں اپنے سیکرٹری مقرر نہیں کئے۔ اور اگر کئے ہیں تو وہ سُست ہیں۔ چاہیے تھا کہ ان کو ہوشیار کیا جاتا یا بدلوایا جاتا مگر ان کو بدلوانے کی بھی کوئی کوشش نہیں کی گئی۔ آٹھ سو جماعتوں میں صدر انجمن احمدیہ کے آدمی کام کرتے ہیں اور وہ اپنے چندوں میں برابر ترقی کر رہے ہیں۔ بے شک ان کے انسپکٹر بھی ہیں لیکن سیکرٹریانِ تحریک جدید کو بھی انسپکٹروں کے ذریعہ چُست کیا جا سکتا تھا۔ مگر دفتر والوں نے اِس بارہ میں اپنی ذمہ داری کو قطعاً محسوس نہیں کیا۔ پس اِس چندہ کی عدمِ وصولی میں زیادہ تر دفتر والوں کی کوتاہی ہے۔ اگر جماعت کی کوتاہی ہوتی تو صدر انجمن احمدیہ کے چندوں پر بھی اس کا اثر پڑتا مگر ان کے چندوں پر اس کا اثر نہیں پڑا۔

پس میں اس کا الزام دفتر والوں کو دیتا ہوں مگر میں سمجھتا ہوں جماعت بھی اپنی ذمہ داری سے پوری طرح بَری نہیں۔ میں نے بتایا تھا کہ کام کرنے کا وقت اب آیا ہے اور یہی وہ سال ہے جس میں اخراجات پہلے سے کئی گنا بڑھ گئے ہیں۔ کچھ مبلغ باہر جا چکے ہیں اور کچھ مبلغ تیار ہیں جو عنقریب تبلیغ کے لئے غیر ممالک میں روانہ ہونے والے ہیں۔ اگر ایسے وقت میں جماعت اپنی ذمہ داری کو پوری طرح نہ سمجھے تو کس قدر افسوس کا مقام ہوگا یہ بالکل ویسی ہی بات ہوگی جیسے کوئی شخص اپنے معشوق سے ملنے کے لئے ایک لمبے فاصلہ سے دوڑتا چلا آئے مگر جب اس کے دروازہ پر پہنچ جائے تو ڈیوڑھی میں ہی بیٹھ جائے اور اندر داخل ہونے کی کوشش نہ کرے۔ جو افسوس ایسے شخص کو ہوگا وہی حال ان لوگوں کا ہے جنہوں نے دس سال قربانی کی مگر جب عملی طور پر کام کرنے کا وقت آیا اور خدا تعالیٰ کے سپاہی میدانِ جنگ میں کام کرنے کے لئے نکل کھڑے ہوئے تو وہ ہمت ہار کر بیٹھ گئے۔ کیا خدا تعالیٰ کے نشانات، اُس کے تازہ بتازہ معجزات اور اس کی تائید اور نصرت کے متواتر واقعات سے مومنوں کو اسی طرح فائدہ اٹھانا چاہیے؟

یاد رکھو! خدا تعالیٰ کے نشانات جہاں بہت بڑی رحمت کا موجب ہوتے ہیں وہاں

بہت بڑے ابتلا کا بھی موجب ہوتے ہیں۔ اگر انسان ان نشانات کی قدر کرے تو اس کا ایمان زمین سے آسمان پر پہنچ جاتا ہے۔ اور اگر وہ ان نشانات کی قدر نہ کرے اور ان سے فائدہ نہ اٹھائے تو اُس کا ایمان آسمان سے زمین پر آگرتا ہے۔ پس میں جماعت کو توجہ دلاتا ہوں کہ وہ اللہ تعالیٰ کے ان نشانات سے فائدہ اٹھائے، اپنے ایمانوں کو مضبوط بنائے اور پہلے سے زیادہ قربانیاں کرنے کی کوشش کرے۔ کیونکہ اب اس کی ذمہ داریاں پہلے سے بہت بڑھ گئی ہیں اور خدا نے اس پر حُجت تمام کر دی ہے۔ اگر اب بھی کوئی شخص توجہ نہیں کرے گا تو وہ گھڑا گھڑایا اور بنا بنایا مجرم خدا تعالیٰ کے سامنے پیش ہو گا۔

وہ لوگ جنہوں نے خدا تعالیٰ کے نشانات نہیں دیکھے وہ کہہ سکتے ہیں کہ ہم کیا کریں ہم نے تو اپنی آنکھ سے خدا تعالیٰ کا کوئی نشان نہیں دیکھا۔ وہ لوگ جن پر ایک لمبا عرصہ گزر چکا ہے اور گو کسی پہلے زمانہ میں انہوں نے خدا تعالیٰ کے نشانات کو دیکھا ہو مگر اب ایک لمبے زمانہ سے انہوں نے کسی نشان کو نہیں دیکھا وہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے نشانات پر ایک عرصۂ دراز گزر چکا ہے۔ اب ہمارے دلوں پر زنگ لگ گیا ہے اور ہم میں قربانی کرنے کی روح نہیں رہی۔ لیکن وہ جماعت جس کے سامنے خدا تعالیٰ نے اپنے تازہ بتازہ نشانات دکھائے ہیں اور اب بھی دکھا رہا ہے وہ خدا تعالیٰ کو کیا جواب دے سکتی ہے۔ اس کے ایمان میں تو اتنی تیزی اور شدت ہونی چاہیے کہ کوئی بات اس کو سست کرنے والی نہ ہو۔ ہر قدم اس کا آگے بڑھے اور اِس طرح دیوانہ وار وہ خدا تعالیٰ کے دین کی خدمت کے لئے کھڑی ہو جائے کہ اسے اپنی زندگی اور اپنی موت دونوں یکساں معلوم ہوں بلکہ موت اسے زندگی سے زیادہ شیریں اور لذیذ معلوم ہو۔ کیونکہ موت میں مومن اپنے یار کے دیدار کو دیکھتا ہے۔

صحابہؓ کی طرف دیکھو اُنہوں نے دین کے لئے کیسی کیسی قربانیاں کیں۔ حضرت ضرارؓ بن اسود ایک مخالف جرنیل کے مقابلہ میں اُس سے لڑنے کے لئے نکلے۔ وہ کئی مسلمانوں کو شہید کر چکا تھا۔ جب یہ اُس کے سامنے ہوئے تو فوراً بھاگے اور دَوڑتے ہوئے اپنے خیمہ کی طرف چلے گئے۔ یہ دیکھ کر صحابہؓ میں سخت بے کلی اور بے چینی کی لہر دَوڑ گئی کہ اب عیسائیوں کے سامنے ہماری کیا عزت رہ جائے گی۔ کمانڈر انچیف نے فوراً ان کے پیچھے اپنا آدمی دوڑایا

اور کہا کہ پتہ لو ضرارؓ کیوں بھاگے ہیں؟ وہ گیا تو اُس وقت ضرارؓ اپنے خیمہ سے باہر نکل رہے تھے اس شخص نے کہا ضرارؓ! آج تم نے کیا کیا؟ تمہارے اس فعل کے نتیجہ میں آج سارے اسلامی لشکر کی گردنیں جھکی ہوئی ہیں کہ اسلام کا سپاہی اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا صحابی میدانِ جنگ سے بھاگ گیا۔ حضرت ضرارؓ نے کہا ہاں تم نے یہی سمجھا ہوگا مگر بات یہ ہے کہ جب کئی مسلمان یکے بعد دیگرے اِس جرنیل کے ہاتھ سے مارے گئے تو میں نے فیصلہ کیا کہ اب میں اس کے مقابلہ میں نکلوں گا۔ مگر جب میں اس کے سامنے کھڑا ہوا تو مجھے یاد آگیا کہ میں نے کُرتے کے نیچے لوہے کی زِرہ پہنی ہوئی ہے۔ اُس وقت میرے دل نے مجھ سے کہا کہ ضرار! کیا یہ زِرہ تو نے اِس لئے پہن رکھی ہے کہ یہ بڑا بھاری جرنیل ہے ایسا نہ ہو کہ تُو اس کے ہاتھ سے مارا جائے؟ کیا خدا کے ملنے سے تُو ڈرتا ہے کہ زِرہ پہن کر لڑنے کے لئے آیا ہے؟ جب میرے دل نے مجھ سے یہ کہا تو میں نے سمجھا اگر مَیں اِس وقت مارا گیا تو مَیں جہنم میں جاؤں گا کیونکہ اللہ تعالیٰ مجھے کہے گا کہ معلوم ہوتا ہے کہ تجھے ہم سے ملنے کی خواہش نہیں تھی۔ چنانچہ میں دوڑتا ہوا واپس چلا گیا تا کہ میں زِرہ اُتار آؤں اور اس کے بغیر اس کا مقابلہ کروں۔ چنانچہ انہوں نے اپنا کُرتا اٹھا کر بتایا کہ دیکھ لو میں زِرہ اُتار کر آیا ہوں۔ اس کے بعد وہ اس کے مقابلہ کے لئے نکلے اور اللہ تعالیٰ نے ایسا فضل کیا کہ اِنہوں نے اُسے مار لیا۔ تو مومن موت کو اپنی زندگی سے بھی پیارا سمجھتا ہے۔ جس چیز کو لوگ ہلاکت سمجھتے ہیں مومن اسے اپنے لئے برکت کا باعث سمجھتے ہیں اور جس چیز کو لوگ تباہی کا موجب سمجھتے ہیں مومن اسے اپنی ترقی کا موجب سمجھتے ہیں۔

پس جہاں مَیں مرکز کے کارکنوں کو توجہ دلاتا ہوں اور ان کی غفلت اور کوتاہی پر انہیں ملامت کرتے ہوئے انہیں صحیح طور پر کام کرنے کی نصیحت کرتا ہوں وہاں مَیں جماعتوں کو بھی ملامت کئے بغیر نہیں رہ سکتا کہ انہوں نے اپنے فرائض کو صحیح طور پر ادا نہیں کیا۔ اور عین اُس موقع پر جبکہ ہم لڑائی کے لئے تیاری کر رہے تھے انہوں نے ہماری طبیعتوں کو مُشَوَّش[2] کر دیا اور ہمارے وقتوں کو اس عظیم الشان کام کی بجائے اور کاموں کے لئے خرچ کروانے لگیں۔

اللہ تعالیٰ ہماری جماعت کو توفیق عطا فرمائے کہ وہ اپنی کوتاہیوں اور غفلتوں کو دور کرے اور خدا تعالیٰ کے تازہ نشانات جو اس کے سامنے ظاہر ہو رہے ہیں ان سے فائدہ اٹھاتے ہوئے وہ اپنے ایمان اور اپنے اخلاص کو بڑھاتی چلی جائے۔ اِسی طرح اللہ تعالیٰ ہمارے کارکنوں کو اِس بات کی توفیق عطا فرمائے کہ وہ سُستی اور غفلت کو چھوڑ کر صحیح طریقوں پر عمل کرتے ہوئے اسلام کو اُس کی صحیح بنیادوں پر قائم کر دیں تاکہ دونوں گروہ اُس کے حضور سُرخرو ہوں اور دونوں گروہ اُس کے حضور ثواب کے مستحق ہوں۔"

(الفضل مورخہ 23، 25جون 1945ء)

1: بخاری کتاب احادیث الانبیاء باب قول اللہ تعالیٰ وَوَهَبْنَا لِدَاوُدَ...الخ

2: مشوّش: پریشان۔ مضطرب